بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

ماہنامہ انٹرنیٹ گزٹ

المنار

اکتوبر 2011ء | تعلیم الاسلام کالج اولڈ اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ | جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 10

مجلس ادارت مدیر: مقصود الحق معاون مدیر: مبارک احمد صدیقی و سید نصیر احمد

Ph. No. +44 (0) 20 87809026
E-mail : editoralmanar@hotmail.com

فرمان الٰہی

☆ سورج کے ڈھلنے سے شروع ہو کر رات کے چھا جانے تک نماز کو قائم کر!
(بنی اسرائیل:79)

☆ یقیناً نماز مومنوں پر ایک وقت مقررہ کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔
(النساء:104)

☆ نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص مرکزی نماز کی۔ (بقرہ:239)

☆ نماز بے حیائی اور ہر ناپسندیدہ بات سے روکتی ہے۔ (عنکبوت:46)

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

☆ جو شخص لقاء الٰہی کی آرزو رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جو لقاء الٰہی کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الزھد)

☆ نماز دین کا ستون ہے۔

☆ نماز کو چھوڑنا انسان کو شرک اور کفر کے قریب کر دیتا ہے۔

(مسلم کتاب الایمان)

☆ جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کی تاکید کرو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر سختی کرو۔ (ابوداؤد)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

☆ اطمینان وسکینتِ قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 402)

☆ نماز ہزاروں خطاؤں کو دور کر دیتی ہے اور ذریعہ حصولِ قرب الٰہی ہے۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 292)

☆ نماز ہی وہ شئے ہے جس سے سب مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور سب بلائیں دور ہوتی ہیں۔ (ملفوظات جلد 5 صفحہ 402)

☆ نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 605)

کلام الامام - امام الکلام

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اس میں وہ کیا نہیں

سورج پہ غور کر کے نہ پائی وہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اس یار سا نہیں

واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اس کو فنا نہیں

سب خیر ہے اسی میں کہ اس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اسی کو یارو بتوں میں وفا نہیں

(درثمین)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

سب سے بڑی دعا اور سب سے بڑا ذکر نماز ہی ہے بشرطیکہ وہ اس کا حق ادا کرتے ہوئے ادا کی جائے۔

(از خطبہ جمعہ فرمودہ 22 اپریل 2011ء)

یتیموں کے لئے ابر بہار

یتیموں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا دل بہت نرم اور فراخ دل واقع ہوا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے ایک بچے نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ایک یتیم بچہ ہوں، میری ایک یتیم بہن بھی ہے اور ہماری بیوہ ماں ہم یتیموں کی پرورش کرتی ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اس کھانے میں سے جو آپ کے پاس ہے ہمیں اتنا عطا فرمادیں کہ ہم راضی ہوجائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بچے! تم نے کیا خوب کہا۔ ہمارے گھر والوں کے پاس جاؤ اور جو کھانے کی چیز ان سے ملے وہ لے آؤ۔ بچہ آپ ﷺ کے پاس اکیس کھجوریں لے کر آیا رسول اللہ ﷺ نے کھجوریں اپنی ہتھیلی پر رکھیں اور ہتھیلیاں اپنے منہ کی طرف اُٹھائیں۔ ہم نے دیکھا جیسے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کر رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا بچے! سات کھجوریں تمہارے لئے، سات تمہاری ماں کے لئے اور سات تمہاری بہن کے لئے ہیں۔ ایک کھجور صبح اور ایک شام کو۔ جب وہ بچہ رسول کریم ﷺ کے پاس سے جانے لگا تو حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنا ہاتھ اس بچے کے سر پر رکھا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری یتیمی کا مداوا کرے اور تمہارے باپ کا اچھا جانشین تم کو عطا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! آپ نے اس بچے کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ میں نے دیکھا ہے۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس بچے سے محبت کے جذبے سے سرشار ہوکر میں نے ایسا کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے مسلمانوں میں سے کوئی شخص یتیم کا والی نہیں بنتا مگر اللہ تعالیٰ اس شخص کو یتیم کے ہر بال کے عوض ایک درجہ بڑھاتا ہے اور ہر بال کے عوض ایک اور نیکی عطا کرتا اور ہر بال کے برابر ایک گناہ معاف فرماتا ہے۔

(مجمع الزوائد جلد 8 صفحہ 162)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں

”تم علوم کی طرف توجہ کرو اور دنیا کے سامنے نئی چیزیں پیش کرو اور یاد رکھو کہ زمانہ کی نئی رَو اور نئی ضرورتوں کے ساتھ تعلق رکھنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھ لو، آپ نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن آپ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جس قدر انکشافات فرمائے ہیں۔ وہ دنیا کی نئی رَو اور ضرورت کے مطابق ہیں۔ پس تم بھی زمانہ کی رَو اور ضرورت کو ملحوظ رکھو اور یورپین مصنفین کی کتب کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ ان کے دماغ کس طرف جا رہے ہیں۔ اگر تم نے اس طرح کام کرنا شروع کر دیا تو تم دیکھو گے کہ خدا تعالیٰ تمہارے کاموں میں کس طرح برکت ڈالتا ہے اور سلسلہ کا کام کس طرح چلتا ہے۔ لیکن یاد رکھو تمہاری کتابیں حقیقی طور پر اس وقت مفید کہلائیں گی جب خود عیسائی مصنفین یہ لکھیں کہ ہمیں اس وقت جو مشکلات پیش آرہی ہیں ان کا حل ہمیں انہی کتابوں میں ملا ہے۔“

(مطبوعہ الفضل 11 فروری 1956ء)

ٹیم ہارتی ہے تو ہار جائے

مکرم پروفیسر عزیز احمد طاہر صاحب

ایک روز میں کلاس لینے کلاس روم میں داخل ہوا۔ گزشتہ روز میں نے ”مسئلہ مقدار زر“ پر لیکچر دیا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ ”مسئلہ مقدار زر“ ایک مشکل موضوع ہے۔ آگے پڑھنے سے پہلے طلباء کا ایک ٹیسٹ لے لوں تا کہ معلوم ہوجائے کہ طلباء نے اس موضوع کو سمجھ بھی لیا ہے یا نہیں۔ میں نے طلباء سے کہا کل میں نے جو آپ کو لیکچر دیا تھا اسے ایک کاغذ پر لکھیں۔ یہ کوئی ٹیسٹ نہیں۔ میں فقط یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس موضوع کے بارہ میں کس قدر جانتے ہیں۔ پیریڈ کے اختتام پر میں نے طلباء سے کاغذ لے لئے اور اسٹاف روم میں آکر ان کو پڑھنا شروع کر دیا۔ ایک طالب علم نے اس عذر کی بناء پر کہ اس روز کلاس میں آیا نہیں تھا کچھ غیر مناسب فقرے لکھ دیئے۔ میں نے اس طالب علم کو پچیس روپے جرمانہ کر دیا اور کاغذ پرنسپل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا۔ پرنسپل صاحب نے جرمانہ کی رقم کاٹ کر طالب علم کا نام کالج سے خارج کر دیا۔ طالب علم باسکٹ بال کا کھلاڑی تھا اور دو روز بعد سیالکوٹ میں باسکٹ بال کا فائنل میچ بھی تھا۔ چند پروفیسرز پرنسپل صاحب کے پاس آئے اور درخواست کی کہ یا تو طالب علم کو معاف کر دیا جائے یا سزا کا نفاذ میچ کے بعد ہو تا کہ یہ لڑکا فائنل میچ کھیل سکے۔ پرنسپل صاحب نے دونوں درخواستیں نامنظور کر دیں اور فرمایا کہ اگر اس طالب علم کے نہ کھیلنے سے ٹیم ہار جاتی ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ چنانچہ فائنل میچ اس طالب علم کی شمولیت کے بغیر کھیلا گیا اور ٹیم جیت گئی۔ میچ کے بعد ہی اس طالب علم کی سزا معاف ہوئی۔ یقیناً ایسے ڈسپلن کی مثال کسی دوسرے تعلیمی ادارے میں نہ ملے گی۔

(الفضل 28 جنوری 2011ء)

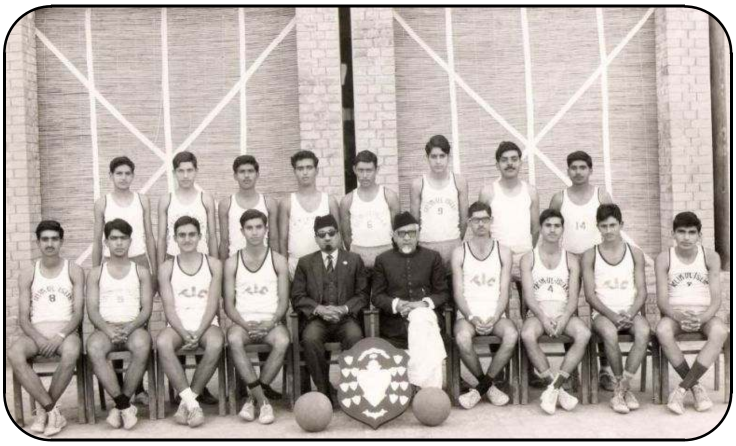

انصر کا خواب

(مرزا رفیق احمد، واہ کینٹ)

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے ہونہار طالب علم سیّد انصر احمد شہید خداداد صلاحیتوں کے حامل نوجوان تھے۔ جنہوں نے گریجویشن کے بعد پاکستان آرمی میں کمیشن حاصل کیا اور تیزی سے ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے جلد ہی میجر کے رینک کو جالیا۔ یہ نوخیز جوان بہت خوش مزاج تھا اور اپنوں اور غیروں میں یکساں ہر دلعزیز و مقبول تھا۔ دیکھے ہوئے خواب کے عین مطابق دوران ڈیوٹی ہوائی جہاز کریش ہوا۔ اور شہادت کا تمغہ سینے پہ سج گیا۔ ان کے ماموں مکرم رفیق مرزا صاحب کے قلم سے بیان کردہ ان کا خواب اور بعد کے واقعات ذیل میں ہدیۂ قارئین ہیں۔

ناشتہ کرتے وقت انصر نے اپنی امی سے کہا!

امی جان رات میں نے عجیب سا خواب دیکھا ہے۔

کیسا خواب؟ کوئی اوٹ پٹانگ داستان گھڑلی ہوگی تو نے...... امی نے پیار بھری نظروں سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں امی جان...... میں نے واقعی خواب دیکھا ہے کہ میں اور میجر مسلم غنی فلائٹ پر پنڈی جا رہے ہیں اور رستے میں ہمارا جہاز کریش ہو گیا ہے اور میجر مسلم اس حادثہ میں شہید ہو گیا ہے۔ امی سے دانستہ اس نے اپنا ذکر نہ کیا۔

بیٹے!...... خدا خیر کرے۔ تم مسلم غنی سے کہنا کہ وہ صدقہ دیدے۔ صدقہ بلا کو ٹالتا ہے۔

ضرور کہوں گا۔ انصر کے لہجے میں اطاعت شعاری تھی۔

اور پھر جب یہ خواب اُس نے دوستوں کی محفل میں مسلم غنی کو سنایا اور اسے بتایا کہ خواب میں ہم دونوں ہی حادثے سے دوچار ہوئے تھے تو مسلم غنی جو بڑا ہی زندہ دل انسان تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیا خواب سنایا ہے یار تُو نے...... اور خواب کے بعد جو ہدایات دی ہیں وہ بھی خوب ہیں۔ یعنی اب صدقہ بھی میں دوں...... خوب!...... خواب تم دیکھو اور صدقہ کی ادائیگی میرے ذمے۔ یوں یہ خواب دوستوں کی ہنسی اور قہقہوں میں گم ہو کر رہ گیا۔

انصر کے دل و دماغ میں خدا کی محبت کے بعد ماں کی ہی تصویر تو تھی۔ اس کی پیاری ماں جو گیارہ سال سے بیوگی کا روگ لئے زندگی کا سفر طے کر رہی تھی کے لئے بس انصر کی ایک خواہش تھی کہ وہ دنیا جہان کی خوشیاں اپنی ماں کے قدموں میں ڈھیر کرتا رہے۔

والد کی شہادت کے وقت 16 سالہ انصر ہی تو ماں کی امیدوں کا سہارا تھا۔ جسے خدا نے ذہانت اور بلا کا تیز دماغ عطا کیا ہوا تھا۔ اس نے بڑی خوش اسلوبی سے باپ کا خلاء پُر کیا۔ اس نے ماں اور چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کے سکھ کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی۔

اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب انصر کے خواب نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ کتنی تلخ تھی یہ حقیقت۔ 29 جولائی کا گرم سورج چمک رہا تھا میجر مسلم اور میجر انصر فلائیٹ کے لئے تیار تھے۔

یار تم پیچھے بیٹھو...... آج کنٹرول میں کروں گا۔ ان کے پیچھے جہاز نمبر 2, 3 اور 4 قطار میں کھڑے فضاؤں میں بلند ہونے کے لئے پر تول رہے تھے۔ ان کا جہاز لمحوں میں فضا میں بلند ہو گیا لیکن خواب!...... اور جہاز زمین کی پستی کی طرف آنا شروع ہو گیا اور ایک دھماکے سے زمین سے ٹکرا گیا اور اس میں آگ لگ گئی۔ انصر بے ہوش تھا۔ اور مسلم غنی کی ٹانگیں ٹوٹے ہوئے جہاز میں بری طرح پھنسی ہوئی تھیں۔ بے ہوش انصر کو فوری طور پر ہسپتال پہنچایا گیا۔ مسلم کو بڑی مشکل سے ایک گھنٹہ کی جدوجہد کے بعد نکالنے میں کامیابی ہوئی اور اسے بھی CMH لیجایا گیا۔ تاہم وہ جانبر نہ ہو سکا۔

اس روح فرسا سانحہ کی داستان میں نے یکم اگست 1979ء کے اخبار میں پڑھی۔ میں اسی وقت لاہور کے لئے روانہ ہو گیا۔ CMH پہنچا ماحول افسردگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر چہرہ افسردہ تھا۔ ہر صورت اداس تھی۔ ہمت کر کے ایک عزیز سے پوچھا۔ مگر جواب میں اس کے لب ہل کر رہ گئے۔ باجی سے ملاقات ہوئی۔ ان کی آنکھوں میں غموں کی اتھاہ گہرائیاں تھیں۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ نظریں خاموشی سے خدا کی بارگاہ میں دعا کر رہی تھیں۔

رفیق...... انصر کی حالت بہت نازک ہے...... ان کی آواز لرز رہی تھی۔ میرا اپنا بھی ایسا ہی حال تھا۔ لبوں پر دعائیں جاری تھیں...... یا اللہ انصر پہ رحم کر۔ اس کی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھنا۔ ہر لب پر یہ دعا تھی۔ ہر دل اس کی زندگی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ ایک دو دن بعد اس کی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ پر ساتھ ساتھ نئی نئی چوٹوں کا انکشاف بھی ہو رہا تھا۔ منہ اور ناک کے رستہ سانس لینے میں دشواری کو دور کرنے کے لئے گلے کے نیچے سوراخ کر دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے انصر بات نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک اس حصہ پر ہاتھ نہ رکھ دیا جائے۔ اتنے شدید زخموں کے باوجود وہ ٹھیک ہوتا نظر آ رہا تھا۔ ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی پسلیاں اکھڑی ہوئیں، پیٹھ پر ایک بڑا سا زخم تھا۔ چھوٹے چھوٹے زخم تو سارے جسم پر تھے۔ اس کی زخمی ٹانگ کو علیحدہ کر دیا گیا B -ve گروپ کے خون کی ضرورت تھی جو بہت ہی کمیاب تھا۔ ایک بوتل لاہور سے اور دوسری CMH پنڈی سے منگوائی گئی۔

حادثہ سے پندرہ دن بعد تک انصر کی طبیعت خاصی بہتر ہو چکی تھی۔ ڈاکٹروں کی مایوسی امید میں بدلتی جا رہی تھی۔ اور ساتھ ہی ہمارے چہروں کی رنگت بھی تبدیل ہوتی گئی۔ انصر نے کئی بار بیٹھنے کی خواہش کی۔ لیکن خواہش کی تکمیل میں اسے تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس نے کہا۔ اس کی کمر کا ایکسرے لیا جائے۔ ایکسرے لیا گیا تو پتا چلا کہ ریڑھ کی ہڈی بھی فریکچر ہے۔ کتنی بار تو ہم نے اسے اپنے ہاتھ سے سٹریچر پر اٹھا کے ڈالا تھا۔ اور اس کے اس زخم کا تو ہمیں پتہ ہی نہ تھا۔ باوجود انتہائی احتیاط کے۔ ہم سے کتنی بد احتیاطی ہوئی ہوگی۔ پھر دل میں خیال آنے لگا کاش ڈاکٹر شروع میں ہی سارے جسم کا ایکسرے مکمل کر لیتے۔ آخر یہ ہوائی حادثہ تھا۔ کسی سائیکل کا ایکسیڈنٹ تو نہیں تھا۔ لیکن ڈاکٹر بھی انسان ہیں اور خامیوں سے پاک تو صرف خدا کی ذات ہے۔

پھر بھی ہمیں کافی اطمینان تھا۔ انصر کے گلے کا سوراخ بند کر دیا گیا تھا۔ اب وہ بات چیت کر لیتا تھا اور جو کوئی بھی اس کے پاس حال احوال پوچھنے آتا وہ اس سے پوری

تفصیل سے شجرۂ نسب پوچھتا۔ انصر کے دوست اسے مذاق کر کے بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔ وہ بھی ان کے مذاق کا مناسب جواب دیتا تھا۔

انصر نے اپنے عزیز ترین دوست کیپٹن شاہین سے کہا کہ یار میری ٹانگ کو کیا ہوا ہے۔ میرا کچھ اسٹائل بدلا بدلا نظر آتا ہے۔ ذرا میرا گھٹنا تو دباؤ۔ شاہین بیچارہ اب چادر کو دبا رہا ہے اور انصر چیخ رہا ہے۔ ارے یہ میری ٹانگ نہیں ہے۔ شاہین ناراض ہو رہا ہے اور کہہ رہا ہے انصر تم مجھے بہت ستاتے ہو۔ اس لئے میں جا رہا ہوں۔

اچھا اب معافی...... انصر اسے مناتا ہے۔ یار مت جاؤ۔ اتنے زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود انصر کی ہمت اور اس کی قوت ارادی کی داد دینی پڑتی ہے۔ انصر اپنے ملنے والوں سے اتنے زور سے ہاتھ ملاتا تھا کہ یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے ہاتھ کسی فولادی شکنجے میں آ گیا ہو۔

انصر اپنے چھوٹے بھائی مدثر (دوچھی) کو بہت زیادہ پکارتا رہتا تھا۔ وہ جب بھی کمرے میں آتا انصر اسے کہتا۔ یار دوچھی یہ خون کی بوتل اتار دو۔ یہ گلوکوز کی نلکی اتار دو۔ اس سے بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ کبھی غصے سے کبھی پیار سے ...... یار تم میرے بھائی نہیں ہو۔ سنو اسے جلدی سے اتار دو۔ اور یونہی یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

اس امید افزا حالت کے بعد انصر کی طبیعت میں اچانک خرابی اور کمزوری پیدا ہونی شروع ہو گئی جس کی اصل وجہ ٹانگ ہی تھی جس کا فوری آپریشن کر دینا چاہئے تھا۔ پھر اس کے بعد تو تلخ وقت شروع ہو گیا۔

ایک رات اس نے مجھ سے کہا۔

ماموں...... مجھے دور بہت دور اپنے آخری سفر پر جانا ہے۔ میں نے کئی دنوں سے نماز نہیں پڑھی۔ مجھے وضو کرا دیں۔ یہ الفاظ میرے پاس کھڑی نرس نے بھی سنے۔ جنہیں سن کر میں زور سے کانپ اُٹھا۔

کہاں جانا چاہتے ہو۔ ہمارا وطن قابل دید علاقوں سے بھرا پڑا ہے۔ تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ پھر جہاں کہو گے گھومنے چلیں گے۔ سوات کی خوبصورت وادی میں' کاغان کی حسین سرزمین پر ملکہ کوہسار کوہ مری کی سیر کریں گے' لالہ زار کے مرغزاروں میں گھومیں گے۔ ماموں میں واہ سے ہوتا ہوا آپ سے مل کر چلا جاؤں گا۔ وہ اس قسم کی اور بھی باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے موضوع بدل دیا اور اس سے پوچھا۔

انصر...... تمہیں قرآن مجید کی کون کون سی آیات زبانی یاد ہیں۔

اور پھر میں اس سے سورۃ فاتحہ سے لے کر قل اعوذ برب الناس تک بہت سی آیات سنتا رہا۔ کلام پاک سے اگرچہ دل کو ایک گونہ تسلی ملی۔ ایک سکون سا محسوس ہوا۔ لیکن پھر بھی ذہن سے اس کا خواب محو نہیں ہوتا تھا۔ اور میں مالک دو جہان کی بارگاہ میں اپنا گناہ گار دامن پھیلا کر عرض کر رہا تھا کہ اے دو جہانوں کے بادشاہ۔ انصر کے خواب کی تکمیل بہتر صورت میں ہو۔

اے خدا...... تیرے بعد انسان سے محبت کرنے والی ہستی جسے ماں کہتے ہیں۔ وہ بھی دعائیں کر رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سوتے خشک ہو چکے ہیں۔ تیری رحمت کبھی اپنا دامن نہیں سمیٹتی ایک ماں کی...... ایک ایسی ماں کی جس نے بیوگی کا روگ صرف اس لئے محسوس نہ کیا کہ تو نے اسے انصر جیسا بیٹا دیا تھا۔ اس ماں کی فریاد سن جو تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کے سوا کچھ نہیں مانگتی۔ اس ماں کے دکھ کو سکھ میں بدل دے۔

ایک دن ماں سے کہنے لگا۔

امی جان ہم کتنے بہن بھائی ہیں۔

اس نے کہا پانچ...... فوراً بولا امی میری جگہ چھوٹے بھائی دوچھی کو کھڑا کر دیں۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے ممتا تڑپ اٹھی۔ مجھے تو پانچوں ہی چاہئیں۔ انصر تمہارا اپنا مقام ہے اور دوسروں کا اپنا۔ مجھے تو سبھی اپنی اپنی جگہ چاہئیں۔

دن گذرتے جا رہے تھے۔ اب جو کوئی بھی اسے ملنے جاتا اس سے وہ ضرور ہاتھ ملاتا۔ عزیزوں اور دوستوں سے کہتا مجھے پایاں کریں۔ یعنی پیار کریں اور جب کوئی اسے پیار کرتا تو وہ سکون محسوس کرتا۔ 12 اگست کی صبح نو بجے کے قریب انصر نے ماں کو پکارا۔

امی جان...... مہ رخ آ گئی ہے کیا؟

ہاں بیٹے...... مہ رخ آ گئی ہے۔ ابھی اسے تمہارے پاس لاؤں گی۔

انہی دنوں انصر کی بیوی بھی فیملی وارڈ میں داخل تھی اور ٹھیک تین گھنٹہ بعد۔ مہ رخ کی پیدائش سے انصر ایک پیاری سی بچی کا باپ بن گیا۔ پتہ نہیں قدرت اسے کیا کیا نظارے کرا رہی تھی۔ جوں جوں حادثے کی خبر پھیلتی گئی۔ دور دراز کے علاقوں سے کتنے ہی لوگ روزانہ آتے۔ چھوٹے رینک سے لے کر اعلیٰ افسران تک اس کی مزاج پُرسی کو آتے رہے۔ ایک دن ایک جوان انصر کے کمرے کے دروازہ کے پاس کھڑا اندر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے منع کیا تو وہ رک گیا۔ اور تھوڑا سا دروازہ کھول کر ایک جھلک دیکھنا چاہی۔ اس کے بعد وہ آنسو نہ روک سکا۔ اور دعائیں دیتا ہوا یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ بڑا ہی اچھا ہے ہمارا صاحب۔ فرشتہ سیرت...... پھر اس نے بتایا ایک بار اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو صاحب نے کئی دن رات میری تیمارداری کی تھی۔

ایک اور صاحب مجھ سے پوچھنے لگے...... صاحب آپ کا کیا لگتا ہے۔ میں نے جواب دیا میرا بھانجا ہے۔ کہنے لگا جو ہمارا صاحب ہے وہ بہت ہی نیک اور مہربان ہے۔ وہ بھی دعائیں دیتا چلا گیا۔ اس کے بعد جوان آتے دروازے سے جھانک کر سلیوٹ کرتے اور دعائیں دیتے چلے جاتے۔ یہ منظر دیکھ کر دل تڑپ تڑپ جاتا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے دکھ چاہے کسی عام آدمی کا ہو۔ یا کسی شہنشاہ کا یا پھر کسی بھکاری کا سب میں ایک ہی قسم کے احساس کے نشتر ہوتے ہیں۔

انصر کا ایک دوست طلعت گذرے ہوئے واقعات بتا رہا تھا کہ انصر کے سینہ میں کتنا دردمند دل ہے۔ اس نے کس کس طرح کتنے ہی لوگوں کی زندگیاں بچائیں۔ کسی کو سڑک پر گاڑی نے کچل دیا۔ اس نے فوراً اسے ہر ممکن امداد دی۔ شیر پاؤ پل پر ایک طالب علم موٹر سائیکل کے حادثے میں چور پڑا تماشا بنا ہوا تھا کوئی اس کی مدد کے لئے نہ رُکا مگر انصر نے کارروکی۔ بچوں اور بیوی کو اتارا اور زخمی کو لے کر سیدھا ہسپتال پہنچا۔ زخمی کی حالت دیکھتے ہوئے۔ مسیحا مجبوری ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے ہسپتال میں لے جایا گیا۔ وہاں بھی ڈاکٹر نے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر اس پر دباؤ ڈالا گیا تو اس کا جذبہ فرض کچھ بیدار ہوا۔ انصر واپس ہوا۔ راستے میں خیال آیا کہ ڈاکٹر کہیں لا پرواہی

سے کام نہ لے۔گاڑی واپس ہسپتال کی طرف موڑ دی۔وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا۔ڈاکٹر صاحب گھر جا چکے ہیں گھر سے بلا کر کچھ اپنا اور کچھ خدا کا خوف دلایا اور اس کی فرض نا شناسی پر اسے یہاں تک کہہ دیا کہ اب تم یہاں سے گئے اور صبح تک اس کی حالت نہ بدلی تو میں تمہیں گولی ماردوں گا۔ڈاکٹر نے اس پر معذرت کی اور وعدہ کیا کہ وہ زخمی کی طرف پوری توجہ دے گا۔اور جب انصر مطمئن ہو گیا تو پھر وہاں سے واپس آیا۔انسانی ہمدردی کی بیشمار مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے۔

ایسے بے شمار واقعات دہرا کر طلعت یہی کہہ رہا تھا کہ اے مولا کریم تیرے بندوں کی جانیں بچانے والے انصر کو زندگی عطا کر دے۔وہ دل جو اپنے اندر دوسروں کے احساسات دوسروں کے دکھ درد کی کسک کو محسوس کرنے کی صلاحیت سے بھرپور جذبات رکھتا ہے۔اسے زندگی کی دھڑکنوں سے خالی نہ کرنا۔مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔انصر کی حالت بگڑتی چلی گئی۔اور جوں جوں حالت بگڑتی گئی۔سفر کا اسرار بڑھتا گیا۔

ایک دن پھر مجھے اپنی خالہ کی موجودگی میں کہا کہ مجھے دوچھی کے ابو کی گود میں ڈال دیں ایک رات میرے چچا زاد بھائی ناصر (چھیرے) اس کے پاس تھے انصر نے ان سے پوچھا کہ ماموں آج کون سی تاریخ ہے۔

25...... ناصر نے مختصر جواب دیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں 26-27 دنوں سے یہاں پڑا ہوا ہوں۔اس کو جیسے ایک ایک دن یاد تھا۔پھر اپنی بہت سی ذمہ داریوں کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا کہ میں نے اپنا نیا لباس سلوا لیا ہے۔یہ بات سن کر سسٹر نے کہا۔انصر میرے لئے کوئی جوڑا نہیں بنواؤ گے۔کہنے لگا نہیں۔میں نے صرف اپنے لئے بنوایا ہے۔اس قسم کی باتیں سننے اور کرنے سے ہم سب حتی الامکان گریز ہی کرتے تھے۔

لیکن حقیقت سے آنکھیں چرانا بھی ہمارے بس میں نہیں تھا۔پھر وضو کر کے نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ناصر نے تیمم کر کے اشاروں سے نماز پڑھنے کی تلقین کی تو کہا اچھا۔

اب تو اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ الفاظ اس کے گلے میں ہی کہیں اٹک اٹک جاتے۔کبھی تلاوت کے کچھ الفاظ اونچی آواز سے بھی ادا کر لیتا۔اس کی حالت دیکھ کر سبھی پریشان تھے۔لیکن کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔صرف دعا مانگنے اور آنسو بہانے کے......انصر کی زبان پر 28 تاریخ کا ذکر تھا۔وہ کہہ رہا تھا میں نے 28 تاریخ تک کی مہلت لی ہوئی ہے۔اس کی ہر بات سچی ہوتی جارہی تھی۔

آخر 28 تاریخ کا سورج طلوع ہوا اور پھر غروب ہو گیا۔چاند نکلا جب رات کے 12 بج گئے اور اگلے دن کا آغاز ہوا تو ہم نے خیال کیا کہ خدا نے شاید مقررہ گھڑی ٹال دی ہے۔کچھ لوگ گھر چلے گئے کہ صبح جلدی آجائیں گے۔

میں انصر کے پاس رہا۔اُسے سانس لینے میں بڑی مشکل پیش آرہی تھی۔اکھڑی اکھڑی سی سانسیں چل رہی تھیں۔ڈاکٹر کو بلایا۔وہ اسے دیکھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔دنیاوی مسیحا اپنی شکست تسلیم کر چکا تھا۔لیکن میں موہوم امیدوں کا سہارا لئے کھڑا تھا اور میری حالت چاند کی تمنا کرنے والے کی سی تھی۔

میری باجی......انصر کی ماں کی ممتا نے ایک بار دروازہ کھول کر انصر کو دیکھا اور پھر لمحہ بھر دیکھنے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔وہ ایسا کئی بار کرتی تھیں۔بیٹے کی چلتی ہوئی سانسیں انہیں تسلی دیتی تھیں۔

چند لمحوں کے بعد انصر نے ایک لمبی سی سانس لی۔یہ اس کی زندگی کی آخری سانس تھی۔اس کے بعد انصر نے زندگی سے، ہم سب سے، اپنے عزیزوں سے، حتّٰی کہ اپنی امی سے بھی ناطہ توڑ لیا۔اس وقت رات کا اندھیرا سمٹ رہا تھا اور صبح کی روشنی اندھیرے کا سینہ چیر رہی تھی۔ڈاکٹر آیا۔نبض دیکھی۔کچھ معائنہ کیا۔اور پھر اس نے وہ خبر سنادی۔جسے سن کر میرے دل نے بھی جیسے حرکت کرنی چھوڑ دی ہو۔

ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ میں باہر نکلا۔سب سے پہلے انصر کی باجی تقیہ سلمٰی دکھائی دیں۔سوچا حقیقت حال اس کے گوش گذار کردوں۔مگر میرے کانوں میں اس کی آواز آئی۔میرے مولیٰ۔اے میرے مولیٰ انصر کو شفا عطا فرمادے وہ مسلسل یہ ورد کرتی جارہی تھی۔میں اس کے پاس سے سر جھکائے گذر گیا۔پھر میرے بھانجے میجر طاہر احمد ویٹنگ روم سے باہر آئے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ جیسے سن ہو کر رہ گئے وہ اسی وقت چچا زاد بھائیوں کو اطلاع دینے چلے گئے۔جو تھوڑی ہی دیر پہلے مطمئن گئے تھے۔اس کے بعد انصر کی خالہ کو یہ روح فرسا خبر سنائی۔اور آخر باجی کو ان کے بیٹے کی شہادت سے آگاہ کیا وہ میرے ساتھ انصر کے پاس آگئیں۔

سب سے پہلے انصر کے کمانڈینٹ کرنل K.K پہنچے پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ان میں سبھی لوگ شامل تھے وہ بھی جن کا وہ صاحب تھا۔وہ بھی جن کا وہ دوست تھا اور وہ بھی جن کی زندگی بچانے میں انصر نے انسان دوستی کا بے مثال مظاہرہ کیا تھا۔

خوبصورت چیزوں کو اکثر نظر لگ جاتی ہے اور انصر تو مجسم خوبصورت تھا۔اس کا اخلاق، ذہانت، شکل وصورت، کردار سب کچھ خوبصورت تھا۔انصر ان لوگوں میں سے تھا۔جو ہمیں اپنی زندگی میں بھرپور رعنائیوں کے ساتھ ملتے ہیں۔پھر ہمارا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔جو بچھڑ کر ہمیں بہت تڑپاتے اور شدت سے یاد آتے ہیں۔

انصر چلا گیا۔دور بہت دور جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا۔وہ ہم سے دور چلا گیا۔لیکن ہمارے قریب ہے۔اس کی یادیں ہماری زندگی کا ایک حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔ہم میں موجود نہیں ہے تو بھی ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے۔کچھ انسان اس دنیا سے منہ موڑ کر بھی زندہ رہتے ہیں اور پھر انصر تو شہید تھا۔اسکو خدا سے رزق مل رہا ہے۔میری چھوٹی بچی جب کوئی جہاز گذرتا ہوا دیکھتی ہے تو کہتی ہے ابو وہ انصر بھائی جان کا جہاز جا رہا ہے۔اس سے بڑی بیٹی اکثر یاد کرتی ہے کہ ابو جب انصر بھائی جان آخری بار ہمارے گھر آئے تھے تو فلاں فلاں چیزیں ہم سب نے مل کر کھائیں تھیں۔کیا آپ کو بھی یاد ہے۔میں خاموش رہتا ہوں۔انہیں کس طرح سمجھاؤں کہ مجھے تو بہت کچھ یاد ہے۔جو میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔اپنے ہاتھ سے نہلا کر حضور کی دعاؤں کے ساتھ ہزاروں لوگوں نے الوداع کہا ہوا ور انصر کے کہنے کے مطابق اسے دوچھی کے ابو کی گود میں ڈال دیا ہو بھلا اسے کون بھول سکتا ہے۔سوچتا ہوں کہ ہماری التجاؤں اور فریادوں کے مقابل پر خدا نے انصر کی ہر بات مان لی۔

المنارنامہ

سر! شاگرد حاضر ہیں

☆ (آرٹس اور انجینیرنگ کے مضامین کو چھوڑ کر میڈیکل کے مضامین کو اپنی تعلیم کے لئے چننا متوقع طور پر جن منازل تک رسائی حاصل کرنے کی نشاندہی کرتا ہے ان میں میڈیکل ڈاکٹر بننا بھی شامل ہے۔گو اصل مقصد ''اطلبوا العلم'' ہی ہے۔جس کا سلسلہ مہد سے لحد تک جاری رہتا ہے۔شاگردوں کی تعلیمی میدان میں حاصل کردہ کامیابیاں ایک استاد کے لئے دلی خوشی اور طمانیت کا باعث ہوتی ہیں کہ اُس نے انہیں نورِ تعلیم سے منور کرنے کا حق کما حقہ ادا کرنے کی توفیق پائی ہے۔شاگردوں کی کامیابیوں کے آئینے میں اپنی کاوشوں کے نتائج دیکھنے والا یقیناً کوئی باضمیر اور دیانت دار استاد ہی ہوسکتا ہے۔اس تعلق میں مکرم پروفیسر محمد شریف خان صاحب نے '' آئینہ ہاتھ میں۔ نظر دھندلائی ہوئی'' کے زیرِ عنوان گذشتہ شمارے میں اپنے جن جذبات کا اظہار کیا ہے اور جو بال اپنے شاگردوں کی کورٹ میں دھکیلا ہے، اُس پر اُن کے ایک شاگرد مکرم مسیح الدین شاہد صاحب کے جذبات وخیالات کی عکاسی ایڈیٹر کے نام اُن کے ایک خط سے ہوتی ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-)

سر! یقین جانئے کہ تعلیم کی روشنی سے جہاں آپ نے اپنے اُس zoologist شاگرد کے دل و دماغ کو منور کرنے توفیق پائی، جسے نوبل پیس پرائز کے لئے nominate کیا گیا تھا،اسی طرح آپ نے اُن ذہنوں کو جلا بخشنے کی ذمے داری بھی یقیناًپوری دیانت داری کے ساتھ ادا کی ہے جنہوں نے اپنے معروضی حالات کے تحت سٹینو گرافی میں پیشہ ورانہ مہارت اور پاور لومز کے بزنس میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔اور اُن کو بھی جنہوں نے میڈیکل ڈاکٹر بننے کے باوجود ذریعہ روزگار کے طور پر جرمنی میں ٹیکسٹائل کے بزنس میں بڑا نام کمایا ہے۔

سر! آپ نے اُس مشہور مصنف (Bill Beattie) کے قول کہ تعلیم اس امر کی غماز ہونی چاہیے کہ "How to think" rather than "what to think" کا حق بھی کمال خوبی سے ادا کیا ہے،جس کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے آپ کے سینکڑوں شاگرد زندہ گواہ ہیں۔اور وہ زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے اور نورِ علم سے ذہنوں اور دلوں کو جلا بخشنے پر اپنے دل کی گہرائی سے آپ کے قدردان اور شکر گزار ہیں۔فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔خدا تعالیٰ آپ کو اپنی جناب سے اس کی بہترین جزاء عطاء فرمائے۔آمین

☆☆☆

☆ المنار ماشاء اللہ بہت ہی خوبصورت تخلیق ہے۔مضامین بہت دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ (منیر احمد راجہ)

☆ ہمارے کامیاب علمی جرائد میں نمایاں مقام پانے کا بھرپور پوٹینشل لئے ہوئے المنار کا الیکٹرانک ایڈیشن ایک قابل قدر سعی ہے۔

(فاروق محمود۔لنڈن)

☆ ہمارے نوزائیدہ المنار نے معیار اور پیشکش میں خدا کے فضل سے بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ مجھے تو اس کا ہر آنے والا شمارہ زمانہ طالب علمی کی پُرکیف یادوں سے سرشار کردیتا ہے۔اللہ کرے کہ المنار یونہی اپنے پڑھنے والوں کے دلوں میں خوشی کے پھول کھلاتا رہے۔

(مُطیع اللہ درد)

☆ المنار واقعی پڑھنے کے لائق ہے۔ (دین محمد شاہد)

☆ ستمبر کے شمارے کا شکریہ۔ادارتی بورڈ کو ہدیہ تہنیت اور سلام۔

(محمد سمیع طاہر)

☆ المنار کے الیکٹرانک ایڈیشن کا مطالعہ بے حد خوشی کا موجب بنا ہے۔اسے ہم پہنچانے والی ٹیم قابل مبارکباد ہے۔ (سلیم رحمٰن)

☆ المنار کا ہر ایڈیشن پہلے سے بہتر اور دلچسپ ہوتا ہے۔

(عرفان احمد خان۔جرمنی)

وصل کے دن ہیں

وصل کے دن ہیں، رُت ہے الفت کی — عشق کی ، پیار کی ، محبت کی
تیرے کہلائے، تجھ سے نسبت کی — ہم نے کیا کیا نہیں جسارت کی
تجھ کو چاہا، تری عبادت کی — تیری جانب کی جب بھی ہجرت کی
یہ امانت ہے جو امامت کی — حسنِ سیرت کی، حسنِ صورت کی
یہ علامت ہے تیری قدرت کی — ہم مریضوں کے غسلِ صحت کی
مصحفِ رُخ کی بھی تلاوت کی — سیر کی ایک ایک آیت کی
آنسوؤں نے اگر رفاقت کی — دُھل ہی جائے گی گرد غفلت کی
مَیں کہ ہوں اک پرانا ناشکرا — مجھ پہ برسیں گھٹائیں شفقت کی
چاند نے رات چاندنی بخشی — اپنی تصویر بھی عنایت کی

(مکرم چوہدری محمد علی صاحب۔سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج)

شگفتہ شگفتہ

کرتا جو شخص دنیا میں غور و فکر نہیں
سکتا وہ کھول اپنی بھی روزی کا در نہیں
نپولین اعظم سے بھی سکتا میں ہر نہیں
وہ کونسا مدان ہے ہوتا جو سر نہیں
حاسد مرے اٹھاتے ہیں کیا کیا شرر نہیں
عبرت انہیں کرتے کیوں صاحب صدر نہیں

☆☆☆

حیرت کا انتظام ہے مسلم سکول کا
سوا تعلیم کے نہیں غوغا فضول کا
ہر سال پاس ہوتے ہیں لڑکے ہزارہا
جو نام جانتے نہیں فیل و فیول کا
افسر کسی عدالت کا سمجھو نہ تم مجھے
استاد ایک منشی ہے چُنگی محصول کا

☆☆☆

تب تلک مجھ کو نہ مانے وہ کھلاڑی کھیڈ کا
جب تلک میری نہ تن سو ساٹھ رمزاں ہوگئیں
نہ کیا ثانی نکاح ہی خود پسندی کے سبب
اس غرض کے واسطے کئی غرض منداں ہوگئیں

☆☆☆

دنیا میں کوئی بادشاہ ہم نے ایسا نہیں دیکھا جیسا کہ جرمن
بالکل نلیق، پاگل، بیوقوف، احمق، دیوانہ، وحشی اور واہیات
صاحبِ صدر گورنر کمانڈ نگ و دیگر صوبیداران یاد رہے
کہ پنجاب ہندوستان محسوس کرتا ہے آپ کے جنگی مشکلات
قحط سالی نے دبا رکھا ہے استاد ورنہ اس وقت نچھاور کرتا
روپے، پیسے، پونڈ نوٹ، ہیرے موتی اور کہ جواہرات

☆☆☆

سمندر خاں کی خدمت میں پڑا ہے ایک کم میرا
اگر وہ ہو گیا جلدی تو مٹ جائے گا غم میرا
سمندر صفت رکھتے ہو تو اک قطرہ عطا کرنا
رہے گا پھر ہمیشہ سرِ تسلیم خم میرا
چالی سال گزرے ہیں میدانِ شعر میں مجھ کو
مگر اب تک نہیں پہنچا بلندی پہ قدم میرا

☆☆☆

(استاد امام الدین گجراتی)

جیل میں امام بنالیا

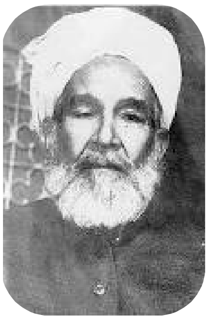

حضرت مولانا ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا کو جاسوسی کے الزام میں روس کی جیلوں میں غیر انسانی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے وہاں بھی عبادت کا جھنڈا سر بلند رکھا۔

وہ اپنی آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں:

میں دن رات بس اللہ تعالیٰ سے ہی دعائیں مانگتا اور حسب عادت رات کو تہجد کے لئے اُٹھتا۔ صبح کے وقت نماز کے بعد قرآن شریف کی تلاوت کرتا اور سورج طلوع ہونے کے بعد دو نفل ادا کرتا اور اللہ کریم سے اپنی حفاظت اور بچاؤ کی دعا مانگتا۔

اشک آباد جیل خانہ میں بہت سے ترک قیدی تھے۔ وہ مجھے روزانہ نماز پڑھتے اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے دیکھتے تھے اور ان میں سے بہتوں کو مجھ سے شدید محبت ہوگئی۔

تاشقند جیل میں بہت سے مسلمان قیدی تھے انہوں نے مجھے اپنا امام منتخب کرلیا اور سب میری اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔ بخارا جیل میں حکومت کے کارندوں کو عاجز پر اس قدر شک تھا کہ رات کو جب میں تہجد کے لئے اُٹھتا اور نماز پڑھتا تو باہر جو سپاہی پہرہ پر مقرر ہوتا وہ کھڑکی سے اُٹھ کر مجھے دیکھ کر شک کرتا کہ یہ بھاگنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اور چونکہ میری جگہ کمرہ میں کھڑکی کے ساتھ تھی اس لئے وہ میری حرکات بآسانی نوٹ کرلیتا تھا۔ دوسرے دن وہ صبح کو اپنے افسر کو اس امر کی اطلاع دیتا اور ایک دو افسر اسی کمرہ کے دروازے اور کھڑکی کو غور سے دیکھتے کہ کہیں یہ بھاگ تو نہیں سکے گا۔ چنانچہ میرا ساتھی مجھے کہتا کہ یہ تیری نماز کو جو رات کو اُٹھ کر پڑھتا ہے شک کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں قید خانہ سے بھاگنے کی کوشش تو نہیں کرتا''

(مولوی ظہور حسین مجاہد اوّل روس و بخارا۔ ناشر سلیم ناصر ملک)

66 برس۔ بروز جمعہ

حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ کو وفات سے کچھ عرصہ قبل ایک کشف میں ایک ہاتھ کا سایہ دکھایا گیا۔ پھر وہ ہاتھ کا عکس لفظ ''اللہ'' میں تبدیل ہو گیا اور آپ کی توجہ لفظ ''اللہ'' کے اعداد کی طرف پھیری گئی۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کی وفات لفظ ''اللہ'' کے اعداد پر یعنی 66 برس کی عمر میں ہوگی اور یہ بھی بتایا گیا کہ وہ جمعہ کا دن ہوگا۔

حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ 18 جولائی 1881ء کو پیدا ہوئے اور 18 جولائی 1947ء بروز جمعہ آپ کی وفات ہوئی، یعنی ٹھیک اس دن جس دن آپ پورے 66 برس کے ہوئے۔

(حضرت میر محمد اسماعیل صفحہ: 32 از سید حمید اللہ نصرت پاشا)

انگور کُرتے میں پونے پانچ روپے ہاتھ میں

مجھے اس بات کا ازحد شوق تھا کہ حضرت اپنی زبانِ مبارک سے مجھے کسی قسم کا بھی کام کرنے کا ارشاد فرمائیں۔ تا کہ مَیں اس کی تعمیل کر کے اپنی خواہش پوری کروں۔ غالباً 1898ء تھا جبکہ ہم درجن بھر آدمی حضرت کے ساتھ گول کمرے میں کھانا کھاتے اور چھوٹی مسجد میں جو کہ اَب مسجد مبارک کہلاتی ہے، نماز پڑھا کرتے تھے۔ مجھے اکثر حضرت کے پاؤں دبانے اور حضرت کو پنکھا جھلنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت مسجد میں ہی ڈاک پڑھا کرتے تھے جو کہ ان ایّام میں دوپہر کو آیا کرتی تھی۔

ایک دن میرے دل میں بڑا جوش اور شوق پیدا ہوا کہ آج اگر حضرت مجھے کسی کام کا ارشاد فرمائیں تو دل کی تمنّا پوری ہو۔ حضرت تو ڈاک پڑھ رہے تھے اور میرا دل تڑپ رہا تھا کسی کام کے کرنے کیلئے کہ اتنے میں حضرت صاحب نے خط پڑھتے پڑھتے گردن مبارک کو اُوپر اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ ایک بلٹی ہے۔ آپ بٹالہ سے جا کر لے آئیں۔ بس پھر کیا تھا۔ میرا دل تو باغ باغ ہو گیا۔ بلٹی میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ ابھی ٹھہریئے اور حضور اندر تشریف لے گئے۔ چند منٹ میں باہر تشریف لا کر میرے ہاتھ میں پانچ روپے دے کر فرمایا کہ یہ اس کے اخراجات کے واسطے ہیں۔

روپے اور بلٹی لے کر خوشی سے اچھلتا ہوا مَیں مسجد سے نیچے اُترا۔ یکّے کے اڈے سے پتہ لگا کہ اس وقت یہاں کوئی یکّہ نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں ایک یا دو یکّے ہوتے تھے۔ اگر وہ بٹالہ چلے جاتے پھر قادیان سے بٹالہ تک جانے کے واسطے کوئی سواری نہ ہوتی۔ خیر مَیں پیدل چل پڑا۔ اور شام کو بٹالہ پہنچ گیا۔ اسٹیشن پر بابو جی کو بلٹی دکھائی۔ اُس نے کہا پارسل آیا ہوا ہے تم صبح چھڑا لینا۔ اَب رات کو کہاں رکھو گے۔ رات سرائے میں ٹھہرا۔ صبح کو مَیں بابو جی کے پاس گیا۔ اُس نے ایک چھوٹی سی ٹوکری جس میں کہ پانچ سیر کے قریب وزن ہو گا۔ میرے سپرد کر دی۔ اور کہا کہ فرینڈ نے اس کا محصول ادا کیا ہوا ہے۔ یعنی PAID پارسل ہے۔

جب مَیں ٹوکری لے کر سٹیشن سے باہر نکلا تو پتہ لگا کہ جو یکّہ رات کو قادیان سے بٹالہ آیا تھا وہ سواریاں لے کر واپس قادیان چلا گیا ہے۔ چونکہ بٹالہ سے قادیان کی سڑک کچّی اور بہت خراب اور ریتلی تھی۔ اس واسطے بٹالہ کے یکّہ والے قادیان جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی جاتا بھی تو بہت کرایہ چارج کرتا۔ مَیں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ آپ بہنگی والا کہار لے جاؤ۔ چنانچہ مَیں نے ایک کہار کو وہ ٹوکری دے دی۔ اس نے بہنگی کے ایک پلڑا میں یہ ٹوکری رکھ دی اور دوسرے پلڑا میں اتنا ہی پتھر کا وزن رکھ کر کندھے پر اُٹھا کر میرے ساتھ ہو لیا۔ اور چار آنے مزدوری قادیان تک طے ہوئی۔ ہم جلد ہی قادیان پہنچ گئے۔ حضرت کے عطا کردہ پانچ روپیہ میں سے چار آنہ مَیں نے کہار کو مزدوری دے دی۔ اور پونے پانچ روپے جیب میں رکھ کر ٹوکری ہاتھوں میں لے لی۔ مسجد مبارک کی پرانی تنگ سیڑھیوں میں چڑھ کر سیڑھیوں کے خاتمہ سے قبل ہی جو دروازہ حضرت کے زنان خانے میں جاتا ہے وہاں ٹھہر کر حضرت صاحب کی خدمت میں اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ حضرت فوراً ہی باہر تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ آ گئے۔ مَیں نے عرض کی حضرت آ گیا۔ ٹوکری کو دیکھتے ہی یہ فرماتے ہوئے اندر تشریف لے گئے کہ آپ ٹھہریں۔ چند منٹ میں حضرت ہاتھ میں ایک بڑا چاقو لئے ہوئے تشریف لائے۔ اور اس ٹوکری کے اُوپر جو ٹاٹ سِلا ہوا تھا۔ اس کو چاقو سے ایک طرف سے کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اس ٹاٹ کے اندر داخل کر کے باہر نکالتے ہی فرمایا کہ یہ آپ کا حِصّہ ہے۔ مَیں نے جلدی میں اپنے کرتے میں ڈلوا لئے۔ (قبل ازیں مجھے علم نہ تھا کہ پارسل میں کیا ہے) مَیں نے دیکھا کہ وہ سبزی مائل انگور ہیں۔ اتنے میں مَیں نے وہ پونے پانچ روپے جیب سے نکال کر پیش کئے اور عرض کیا کہ حضور یہ بقایا رقم ہے۔ صرف چار آنے خرچ ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ "ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے"۔ اتنا فرمایا اور ٹوکری اُٹھا کر اندر تشریف لے گئے۔ انگور میرے کُرتے میں اور پونے پانچ روپے میرے ہاتھ میں رہ گئے۔ سبحان اللہ کیا اعلیٰ فقرہ فرمایا کہ ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے۔ مَیں اس وقت 14, 15 سال کا بچّہ تھا۔ یہ حضرت کی شفقت مہربانی اور عنایت تھی کہ اپنے خدام کی عزّت، قدر اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ اَے خدا کے پیارے مسیح موعود! اللہ کی ہزاروں اور کروڑوں برکتیں اور رحمتیں ہوں تجھ پر اور تیری آل اولاد پر"۔

(حضرت سید غلام حسین شاہ صاحبؓ کا روایت فرمودہ واقعہ

بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 229 تا 232)

ایک نہایت ضروری اعلان

تعلیم الاسلام کالج کے سابق طلباء کی ایسوسی ایشن برطانیہ میں قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب اس ایسوسی ایشن کا اپنا بینک اکاؤنٹ کھل گیا ہے۔ اس کی تفاصیل درج ذیل ہیں:

بینک کا نام	NATIONAL WESTMINSTER BANK
بینک کی شاخ:	SOUTHFIELDS BRACH
بینک کوڈ نمبر:	60-20-09
اکاؤنٹ کا نام:	TIC OLD STUDENTS ASSOCIATION
اکاؤنٹ نمبر:	35109920

جملہ سابق طلبہ سے تاکیدی درخواست ہے کہ وہ اپنی ممبر شپ فیس 24 پاؤنڈ (جو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی منظور فرمودہ ہے) فوری طور پر براہ راست بینک میں جمع کروا کے اطلاع دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ TIC OLD STUDENTS ASSOCIATION کے نام 24 پاؤنڈ کا چیک بنا کر خط کے ہمراہ درج ذیل پتہ پر ارسال کر دیں۔

FINANCE SECRETARY, TIC OLD STUDENTS ASSOCATION, 53 MELROSE ROAD, LONDON SW18 ILX

مزید برآں یہ بھی نوٹ فرما لیں کہ ایسوسی ایشن کا ای میل ایڈریس حسب ذیل ہے۔

E-mail : ticassociation@gmail.com

ایسوسی ایشن سے رابطہ کے لئے فون اور فیکس نمبر درج ذیل ہیں:

Tel : 020-88775510

Fax : 020-88779987

جملہ ممبران سے فوری تعاون کی درخواست ہے۔

عطاء المجیب راشد

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ